© rasailojaraid.com

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

قسط دوم / آخری

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

حلالۂ ملعونہ مروّجہ کا قرآنِ کریم سے جواز؟

مجوزین کے دلائل کا ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ

عمومِ قرآن کی تخصیص میں، حدیثِ رسول ﷺ سے گریز کے نقصانات

بہر حال بات ہو رہی تھی، قرآنِ کریم کے الفاظ ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ کی کہ حدیثِ رسول «لعن الله المحلل...» نے اس نکاح کو خاص کر دیا ہے اس نکاح کے ساتھ جو آباد رہنے کی نیت سے کیا جائے، کیونکہ شریعتِ اسلامیہ میں نکاح کا صرف یہی طریقہ رکھا گیا ہے۔ عارضی نکاح، چاہے وہ متعے کی صورت میں ہو، حلالۂ مروّجہ کی صورت میں ہو یا اب بعض متجددین نے ایک تیسرا طریقہ گھڑا ہے کہ کسی ملک میں تعلیم کے دوران کسی مقیم عورت سے عارضی طور پر چند مہینوں یا چند سالوں کے لئے نکاح کر لیا جائے؛ یہ سارے ممنوع اور یکسر حرام ہیں۔ اسلام میں نکاح صرف وہی ہے جو ہمیشہ آباد رہنے کی نیت سے کیا جائے اور مذکورہ تینوں صورتوں میں یہ نیت نہیں پائی جاتی بلکہ اس کے برعکس سب میں اغراضِ فاسدہ ہی کار فرما ہیں۔ اسلام اغراضِ فاسدہ کی خاطر نکاح جیسے اہم فریضے کی تقدیس کو خاک میں ملانے کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے؟ اس لئے عارضی نکاح کی مذکورہ تینوں صورتیں اسلام میں حرام ہیں اور ان کا ارتکاب کرنے والے ملعون ہیں اور اسی میں فراہی گروپ کی وہ چوتھی صورت بھی آجاتی ہے جو شریعت کے تجویز کردہ حلالے میں ہم بستری کو عمومِ قرآن کے خلاف قرار دیتا ہے۔ اس گمراہی کی بنیاد بھی حدیثِ رسول سے گریز ہی ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب بھی فرماتے ہیں کہ "تَنْكِحَ کے عموم کو ہم حدیث (خبر واحد) سے مخصوص نہیں کر سکتے، یہ قرآنِ کریم پر زیادتی ہے۔" گویا حدیثِ رسول سے قرآن کریم کی تفسیر وتوضیح اور اس کے عموم کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تخصیص، قرآن پر زیادتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلك!

محترم! اوّل تو یہ باتیں منکرین حدیث کی ہیں جو حدیث کو حجت نہیں مانتے۔ اگر آپ بھی صرف انہی حدیثوں کو مانتے ہیں جو خود ساختہ فقہ کے مطابق ہیں اور جو فقہ میں بیان کردہ مسائل کے خلاف ہیں، وہ (نعوذ باللہ) قرآن پر زیادتی ہیں اور مردود ہیں، تو منکرین حدیث بھی تو ان حدیثوں کو مانتے ہیں جو ان کی عقولِ حیلہ ساز کے مطابق ہیں (بالکلیہ حدیث کے منکر تو وہ بھی نہیں)، تاہم ان حدیثوں کو وہ بھی قرآن پر زیادتی قرار دے کر ردّ کر دیتے ہیں جو اُن کے خود ساختہ نظریات کے خلاف ہوتی ہیں اور دلیل اُن کی بھی یہی ہوتی ہے کہ قرآن کے عموم کی تخصیص حدیثِ رسول سے نہیں ہو سکتی۔

جیسے رجم (سنگ ساری) کا مسئلہ ہے۔ منکرین حدیث کہتے ہیں قرآن کریم میں ﴿ اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾[1] "زانی مرد اور زانی عورت، ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔" عام ہے جس میں کنوارے اور شادی شدہ دونوں شامل ہیں، اس لئے دونوں کی سزا ایک ہی ہے: سو کوڑے۔ (فراہی گروہ بھی یہی کہتا ہے جس کا ایک اور نام غامدی گروپ بھی ہے۔)

قرآن کے اس عام حکم کی بابت یہ کہنا کہ حدیثِ رسول کی رُو سے یہ سزا صرف غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے ہے اور حدیث نے اسے صرف کنواروں کے لئے خاص کر دیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ زانیوں کو رجم کی سزا عملاً دی بھی ہے اور اپنے فرمان کے ذریعے سے شادی شدہ زانیوں کے لئے یہی سزا بیان بھی فرمائی ہے۔ لیکن منکرین حدیث اور فراہی گروہ کا پرنالہ وہیں کا وہیں ہے اور ان کا راگ یہی ہے کہ سزائے رجم کا اثبات قرآن کے عموم کے خلاف اور قرآن پر زیادتی ہے۔

بتلایئے! منکرین حدیث (قدیم و جدید) میں اور فقہ نوازوں میں فرق کیا ہے؟ قرآن کریم کی تفسیر اور حدیث کی حجیت میں دونوں کا طرزِ استدلال اور طرزِ عمل ایک ہے، فرق کہاں ہے؟

دوم: یہ کہنا کہ ہم 'خبر واحد' کے عموم سے قرآن کی تخصیص کے قائل نہیں اور صرف اسے ہی

---

1 سورۃ النور: ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن پر زیادتی قرار دیتے ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اوّل تو یہ "دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔" والی بات ہے، یعنی اپنے دل کو مطمئن کرنے یا دل کو دھوکا دینے والی بات ہے کہ ہم حدیث کا انکار نہیں کر رہے ہیں، حدیثِ آحاد کا انکار کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ حدیث آحاد سے قرآن کے عموم کی تخصیص نہیں ہو سکتی، یہ اُصول کس نے بنایا، یا بتلایا ہے؟ کیا اللہ نے نازل کیا ہے کہ میرا قرآن بہت مقدس ہے، اس کے عموم کی تخصیص حدیثِ آحاد سے نہیں کرنا، یہ میرے مقدس کلام کی توہین یا اس پر زیادتی ہے؟ یا امام ابو حنیفہ نے بنایا ہے جن کی تقلید کا دم آپ بھرتے ہیں کہ میرا قول خبر واحد (حدیثِ رسولﷺ) سے زیادہ اہم ہے، اس لئے جب خبر واحد سے اس کا ٹکراؤ ہو تو میرا قول اس پر مقدم ہے، اسی لئے آپ مسئلہ زیر بحث میں رسول اللہ ﷺ کے ثابت شدہ صحیح فرمان کو خبر واحد کہہ کر ٹھکرا رہے ہیں، محض اس لئے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلالۂ ملعونہ کے ذریعے سے نکاح اگرچہ مکروہ ہے لیکن ہو جاتا ہے۔ تو کیا یہ اُصول امام صاحب یا ان کے تلامذہ صاحبین کا بنایا ہوا ہے؟ آخر یہ اُصول کس نے بنایا ہے جو منکرین حدیث کی فکر سے ہم آہنگ اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے مجرمانہ حد تک بے اعتنائی کا مظہر ہے؟

پھر یہ 'اُصول' اگر اتنا ہی 'مقدس' ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا تو فقہ کے بہت سے مسائل بھی اس سے ٹکراتے ہیں تو وہاں اس اُصول کو کیوں استعمال نہیں کیا جاتا اور اس سے متصادم فقہ کے مسائل کو کیوں ردّ نہیں کیا جاتا؟

جیسے فقہ حنفی کا مسئلہ ہے کہ حق مہر دس درہم سے کم مقرر کرنا جائز نہیں ہے، حالانکہ قرآن کے عموم سے حق مہر کی کمی بیشی جائز ہے اور احادیث میں تو بڑی صراحت سے اس کے ثبوت موجود ہیں۔ کیا کم از کم دس درہم حق مہر مقرر کرنے کو لازم قرار دینا، قرآن کے عموم کی تخصیص نہیں ہے؟ عمومِ قرآن کی اس تخصیص کے لئے علمائے احناف کے پاس کون سی متواتر حدیث ہے؟ بلکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس فقہی مسئلے کے اثبات کے لئے، جو قرآن وحدیث کے خلاف ہے، علمائے احناف کے پاس متواتر حدیث تو کجا کوئی صحیح خبر واحد بھی نہیں ہے۔ یہ فقہی مسئلہ سراسر ضعیف حدیث پر مبنی ہے جبکہ صحیح حدیث کی رُو سے کم سے کم مہر، حتیٰ کہ تعلیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن یا قبولِ اسلام (کسی مرد کا) کو بھی حق مہر مقرر کیا جاسکتا ہے۔

کیا مشقِ ناز کے لئے احادیثِ رسول ہی رہ گئی ہیں؟ کیا فقہ کے بعض بے سروپا مسائل، احادیثِ رسول سے ثابت شدہ مسائل کے مقابلے میں زیادہ اہم ہیں کہ اُن کو تو صحیح احادیث کے باوجود خبر آحاد کہہ کر نہایت آسانی سے ردّ کر دیا جاتا ہے، لیکن فقہی مسئلہ بے دلیل ہونے اور عموم قرآن کے خلاف ہونے کے باوجود محترم اور مقدس ہے۔ یہ حدیثِ رسول کو ماننا ہے یا فقہ کو ماننا ہے؟... قرآن کو ماننا ہے یا تقلیدی جمود کا مظاہرہ ہے؟

یہ تو بات واضح کرنے کے لئے ہم نے ایک مثال دی ہے، ورنہ فقہ حنفی کے متعدد مسائل ہیں جو عموم قرآن کی تخصیص پر مبنی ہیں اور اُن کے لئے ان کے پاس متواتر احادیث تو کجا سرے سے کوئی خبر واحد بھی نہیں ہے جیسے نصابِ سرقہ کا مسئلہ ہے، نبیذِ تمر سے وضو کرنے کا مسئلہ ہے وغیرہ۔ ان کے اثبات کے لئے ان کے پاس کون سی معقول دلیل ہے اور کس بنیاد پر اُنہوں نے ان کی وجہ سے قرآن کے عموم کی تخصیص کر کے قرآن پر زیادتی کی ہے؟

خبر واحد کی حجیت سے انکار صرف انہی مسائل میں کیوں جو فقہ کے خلاف ہیں اور جو مسائل فقہ حنفی میں ہیں اور وہ عموم قرآن کے خلاف ہیں، ان میں خبر واحد حجت کیوں ہے؟ بلکہ وہاں تو ضعیف حدیث بھی، جو سرے سے دلیل ہی نہیں ہے، وہ بھی حجت ہے۔ حدیثی مسائل اور فقہی مسائل کے اثبات میں یہ دو عملی بلکہ ایک کے ساتھ معاندانہ اور دوسرے کے ساتھ مفاہمانہ طرزِ عمل کیوں؟

سوم: پھر قرآن کے عموم سے اگر حلالۂ ملعونہ کے ذریعے سے نکاح کا جواز ثابت ہے تو پھر شیعوں کا نکاحِ متعہ بھی جائز ہونا چاہیے، کیونکہ قرآن کے عموم سے آپ اس کو کس طرح خارج کریں گے؟ حدیث کے ذریعے سے تو یقیناً نکاحِ متعہ خارج ہو سکتا اور حرام قرار پا سکتا ہے، کیونکہ حدیث قرآن کی مُخصِّص ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ حدیثِ متواتر ہے یا خبر واحد، صرف اس کا صحیح ہونا شرط ہے۔ لیکن اگر حدیث کو عموم قرآن کا مخصّص نہیں مانا جائے گا تو صرف نکاحِ حلالہ ہی جائز نہیں ہو گا، بلکہ نکاحِ متعہ بھی جائز ہو گا اور وہ عارضی نکاح بھی جائز ہو گا جسے آج کل بعض حضرات نے تعلیمی ضرورت پوری کرنے کے لئے جائز قرار دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح ہمارے پاک و ہند میں ایک فراہی گروپ ہے جس کو پاکستان میں غامدی گروپ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ گروپ بھی اپنے نظریات کے خلاف احادیث کو نہیں مانتا۔ اس لئے یہ گروپ بھی اس حدیث کو نہیں مانتا جس میں دوسرے خاوند کے لئے ہم بستری کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ گروہ 'تنکح' کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے صرف عقدِ نکاح کے بعد ہی (ہم بستری کے بغیر) طلاق دے دینے کے بعد زوجِ اوّل سے نکاح کو جائز قرار دیتا ہے، عموم کی مذکورہ منطق کی رُو سے انکارِ حدیث پر مبنی یہ گمراہانہ نظریہ بھی پھر صحیح ہونا چاہیے۔

چہارم: مآخذِ شرعیہ میں قرآنِ کریم کے بعد سب سے بڑا اور دوسرا ماخذ حدیثِ نبویؐ ہے اور احادیث کا بیشتر حصہ بلکہ ۹۸ فیصد حصہ احادیثِ آحاد پر مشتمل ہے۔ اگر احادیثِ آحاد کی صحت وحجیت... نعوذ باللہ... مشکوک ہے تو دین کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ اسی لئے فقیہ الامت، امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری نے صحیح بخاری میں 'کتاب اخبار الآحاد' میں اس مسئلے، یعنی حجیتِ خبر واحد کو نہایت مدلل طریقے سے بیان کرکے اس کی خصوصی اہمیت کو اُجاگر اور ثابت کیا ہے اور بتلایا ہے کہ حدیث صحیح مطلقاً حجت ہے اور اس سے قرآن کے عموم کی تخصیص بھی بالکل صحیح ہے۔

⑥ مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

> "اس کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ کے قول میں زنا کے ساتھ اس عمل کی تشبیہ صرف حرمت میں ہے، عدمِ انعقاد میں نہیں جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس معاملے میں زوجین کو تفریق کا کوئی حکم نہیں دیا۔"[1]

<u>تبصرہ:</u> اس کو کہتے ہیں: توجيه القول بما لا يرضى به القائل، یعنی "کہنے والے کی بات کی اس طرح توجیہ کرنا کہ کہنے والا اس کو پسند نہ کرے۔" کیونکہ وہ توجیہ یا تاویل اس کے مقصد اور منشا کے خلاف ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کے قول کی توجیہ عثمانی بھی حضرت ابن عمرؓ کے مقصد و منشا کے یکسر خلاف ہے۔ حضرت ابن عمرؓ اپنے قول میں نکاحِ حلالہ کی بابت فرما رہے ہیں کہ ہم اسے

---

۱ درسِ ترمذی: ۳/۴۰۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زناکاری سمجھتے تھے اور موصوف اس کا مطلب یہ بیان فرمارہے ہیں کہ زنا کے ساتھ نکاحِ حلالہ کی تشبیہ صرف حرمت میں ہے، عدمِ انعقاد میں نہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون! گویا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ نکاح حلالہ والا عمل ہے تو یقیناً زنا لیکن نکاح منعقد ہو گیا۔

لیکن نکاح منعقد ہو گیا، والا مطلب حضرت ابن عمرؓ کے کن الفاظ سے نکلتا ہے؟ ہماری فہم سے تو بالا ہے۔ روایت میں تو ایسے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ جب حضرت ابن عمرؓ اس کو زناکاری فرمارہے ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایسا نکاح حرام ہے، وہ نکاح ہے ہی نہیں۔ اگر ان کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہوتا تو پھر وہ اسے زناکاری کیوں کہتے؟ اگر اس کا مطلب وہ لیا جائے جو مولانا عثمانی صاحب بیان فرمارہے ہیں کہ یہ تشبیہ صرف حرمت میں ہے، عدمِ انعقاد میں نہیں (اگرچہ یہ مطلب ان کے کسی لفظ سے نہیں نکلتا) تاہم اگر اس مطلب کو صحیح مان لیا جائے تو اس کے صاف معنٰی یہ ہوں گے کہ حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک نعوذ باللہ زناکاری بھی نکاح کے جواز کا ایک ذریعہ ہے۔ کیا واقعی ایسا ہے اور زنا سے بھی انعقادِ نکاح صحیح ہے؟ اگر واقعی زنا سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے تو پھر باقاعدہ نکاح کرنے کی اور اس کے انتظام میں لاکھوں روپے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر تو کسی عورت کو قابو کر کے اس سے زنا کر لو اور سمجھ لو نکاح ہو گیا اور پھر ساری عمر اس سے زناکاری کرتے رہو۔ اگر حضرت ابن عمرؓ کے قول کی یہ حنفی توجیہ صحیح ہے تو پھر عملِ زنا بھی نکاح کا ایک ذریعہ ہے؟ سبحان اللہ! کیا یہی وہ فقاہت ہے جس کی نبی کریم نے اپنی اُمت کو تلقین فرمائی ہے؟

حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کی اہمیت اور اس کی بے بنیاد تاویل

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث، جو پہلے پوری بیان ہو چکی ہے، نہایت اہم ہے۔ اس میں وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے اپنے سمیت تمام صحابہ کا یہ موقف بیان فرمارہے ہیں کہ ہم نکاحِ حلالہ کو زناکاری سمجھتے تھے۔ ہمارے نزدیک اس سے نکاحِ حلالہ کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ انعقادِ نکاح کا۔ لیکن اس کے برعکس مولانا تقی عثمانی صاحب مسندِ حدیث پر بیٹھ کر فرما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے ہیں کہ اس سے عدمِ انعقاد ثابت نہیں ہوتا، گویا یہ الفاظ دیگر جوازِ نکاح ثابت ہوتا ہے۔ ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کے کن الفاظ سے اُنہوں نے یہ مطلب اخذ کر کے اپنی حنفی فقہ اُن کے سر منڈھ دی ہے، اس کی وہ وضاحت فرمائیں۔

اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لئے آگے اُنہوں نے فرمایا ہے:

"جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس معاملے میں زوجین کو تفریق کا کوئی حکم نہیں دیا۔"

لیکن ہمارا یہاں بھی یہی سوال ہے کہ مذکورہ روایت کے کن الفاظ سے آپ نے یہ تاثر لے کر اس سے اپنے موقف کی تائید کشید کی ہے۔ روایت میں تو سرے سے اس قسم کے قطعاً کوئی الفاظ ہی نہیں ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے تفریق کا کوئی حکم نہیں دیا۔ اس میں تفریق یا عدم تفریق کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے، اس سے عدم تفریق کا تاثر لینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک سائل ایک مفتی صاحب سے پوچھتا ہے: میں نے فلاں طریقے سے ایک عورت سے نکاح کیا ہے، کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ مفتی صاحب فرماتے ہیں: یہ تو زنا ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس کو زنا سمجھا جاتا تھا۔

فرمائیے! کیا اس جواب سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ زنا کے ساتھ اس طریق نکاح کی تشبیہ صرف حرمت میں ہے، عدم انعقاد میں نہیں۔ یعنی مفتی صاحب کے قول سے اس کا زنا ہونا تو واضح ہے، لیکن اس سے نکاح کا انعقاد ثابت ہو جاتا ہے۔ جب کہ مفتی صاحب نے نکاح کے منعقد ہونے یا نہ ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا، اسے صرف زنا قرار دیا۔ کیا زنا قرار دینے کے باوجود اس سے انعقادِ نکاح کا اثبات کیا جا سکتا ہے؟ یا یہ فتویٰ زنا عدم انعقاد نکاح کے بارے میں بالکل واضح ہے، کیونکہ زنا قرار دینے کے بعد مزید کسی بات کی صراحت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ لیکن سائل اعلان کرنا شروع کر دے کہ مفتی صاحب نے نکاح کو جائز قرار دے دیا ہے۔ کیا سائل کا ایسا سمجھنا صحیح ہے؟ یقیناً صحیح نہیں ہے۔ آپ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ والی روایت دوبارہ پڑھ لیں، اس میں صرف یہ ہے کہ نکاحِ حلالہ زنا ہے، اس سے نکاح کا جواز کس طرح ثابت ہو جائے گا؟ آپ افتاء و درسِ حدیث کی نہایت اونچی مسند پر بیٹھ کر زناکاری کے فتویٰ ابن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمر سے، جو حرمتِ نکاح میں صریح ہے، جوازِ نکاح کا اثبات فرما رہے ہیں؟... ﴿إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝٥﴾

⑦ **ساتویں اور آخری دلیل:** مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"نکاح بشرط التحلیل ناجائز ہونے کے باوجود منعقد ہو جاتا ہے، اس پر حنفیہ کی دلیل مصنف عبد الرزاق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک فتویٰ ہے:

عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ: أَرْسَلَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَجُلٍ فَزَوَّجَتْهُ نَفْسَهَا لِيُحِلَّهَا لِزَوْجِهَا، فَأَمَرَهُ عُمَرُ: «أَنْ يُقِيمَ عَلَيْهَا وَلَا يُطَلِّقَهَا، وَأَوْعَدَهُ بِعَاقِبَةٍ إِنْ طَلَّقَهَا» معلوم ہوا کہ اُنہوں نے اس نکاح کو منعقد شمار کیا۔ واللہ اعلم"[1]

تبصرہ: اس روایت کا ترجمہ بھی مولانا موصوف نے پیش نہیں کیا۔ پہلے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ "ابن سیرینؒ نے بیان کیا کہ ایک عورت نے ایک مرد سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ وہ اسے پہلے شوہر کے لئے حلال کر دے (چنانچہ اس نے اس سے نکاح کر لیا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مرد کو حکم دیا کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس ہی رکھے اور اسے طلاق نہ دے بلکہ کہا: اگر اس نے طلاق دی تو مستوجب سزا ہو گا۔" اس سے بقول مولانا عثمانی صاحب معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک نکاحِ حلالہ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

حالانکہ ابن سیرین تابعی، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کا یہ واقعہ بیان کر رہے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بالکل آخری دور میں پیدا ہوئے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۵، ۶ سال کے بچے ہوں گے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ بیان کر رہے ہیں؟ اس اعتبار سے یہ روایت سخت منقطع ہے۔ اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ صحیح سند سے ہم بیان کر آئے ہیں جس میں اُنہوں نے فرمایا کہ جو بھی حلالہ کرنے والا مرد اور وہ عورت جس سے حلالہ کیا گیا ہو، میرے پاس لائے جائیں گے تو میں اُن دونوں کو رجم کی سزا دوں گا۔

اب اہل انصاف، جن کے دل میں ذرا بھی اللہ کا خوف ہے، فیصلہ کر لیں کہ ایک بے سروپا

1 درسِ ترمذی: ۳/۳۹۸ تا ۴۰۱ از مولانا تقی عثمانی، کراچی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(سخت منقطع) روایت میں بیان کردہ بات صحیح ہے یا صحیح السند روایت میں بیان کردہ فیصلہ ؟ اور جرح وتعدیل کی میزان میں حضرت عمرؓ کا کون سا فیصلہ صحیح ہے....

نکاح حلالہ کے زناکاری ہونے کا یا نکاح حلالہ سے نکاح کے منعقد ہو جانے کا؟

یہ دونوں فیصلے ایک دوسرے کی نقیض اور یکسر متضاد ہیں۔ یہ تو قطعاً نہیں ہو سکتا کہ بیک وقت دونوں کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف صحیح ہو؟ ان میں سے یقیناً ایک ہی فیصلہ صحیح ہے، وہ کون سا ہے، صحیح السند والا یا منقطع السند والا؟......ع

صاحبِ انصاف سے انصاف داد طلب ہے!

یہ سات 'دلیلیں' تھیں جو مولانا تقی عثمانی صاحب نے ایک صریح حرام کو حلال کرنے اور زناکاری کو نکاح ثابت کرنے کے لئے پیش فرمائی ہیں اور یہ ان کی مطبوعہ کتاب 'درسِ ترمذی' میں موجود ہیں۔ الحمدللہ ہم نے اِن کی حقیقت واضح کر دی ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ احناف کا 'نکاحِ حلالہ' اور شیعوں کا 'نکاحِ متعہ' اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک ہی ہیں اور مذہب کے نام پر زناکاری کے مترادف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی حنفی عالم اپنی بیوی، بیٹی یا بہن کو کبھی حلالہ کے لئے کسی مرد کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا اور اسی طرح کوئی شیعہ ذاکر اور مجتہد، چاہے وہ متعہ کے کتنے بھی فضائل بیان کرے، اپنی بیٹی، بیوی یا بہن کو نکاحِ متعہ کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔

دیگر حنفی علما کی تاویلات

(۱) علامہ انور شاہ کشمیری کی بابت علمائے احناف یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک تو ان جیسا محدث اس دور میں پیدا نہیں ہوا، دوسرے: علومِ حدیث اور فنِ اسماء الرجال میں اُن کو اتنی مہارت حاصل تھی کہ انہوں نے احادیث میں جمع وتطبیق کا بے مثال کارنامہ سرانجام دیا اور ہر ہر حدیث کو اس کا اصل مقام عطا کیا۔ تیسرے، ان کے درسِ حدیث کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ہر حدیث حنفی مذہب کی تائید کرتی نظر آتی تھی۔ خود اُن کا یہ مقولہ بڑے فخر سے نقل کیا جاتا ہے کہ ''میں نے حنفی مذہب کو اتنا مضبوط کر دیا ہے کہ سو سال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک اس کو کوئی متزلزل نہیں کر سکتا۔"

مولانا کشمیری مرحوم کے ترمذی کے درسی افادات 'العرف الشذی' کے نام سے چھپے ہوئے ہیں۔ اس میں علامہ کشمیری نے بھی حنفیہ کے زیر بحث حلالہ کے جواز میں اسی ابن سیرین کی روایت سے استدلال کیا ہے،[1] حالانکہ یہ سخت منقطع روایت ہے۔

مسئلۂ زیر بحث میں علامہ کشمیری نے بھی حدیث لعن الله المحل... الحدیث میں وارد لعنت کو شرطِ تحلیل کے ساتھ خاص کر کے حلالۂ ملعونہ کو بہ نیتِ تحلیل نہ صرف جائز بلکہ باعثِ اجر ہی قرار دیا ہے۔ دوسرے، صحیح حدیث و آثار صحابہ کے مقابلے میں ایک منقطع اثر سے استدلال کیا ہے۔ ایسے شخص سے کیا یہ اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ نصوصِ قرآن و حدیث کے ساتھ حق و انصاف کا معاملہ کرے گا؟ بالخصوص جب کہ وہ خود بھی امام ابو حنیفہ کی تقلیدِ محض پر فخر کرتا ہو۔ علامہ کشمیری کے صاحبزادے اُن کا مقولہ نقل فرماتے ہیں:

"میں کسی فن میں کسی کا مقلد نہیں ہوں خود اپنی رائے رکھتا ہوں... بجز فقہ کے (اس میں) ابو حنیفہ کی تقلیدِ محض کرتا ہوں۔"[2]

ان کے اس رویے اور اس مثال سے اوّل الذکر دو دعووں کی بابت آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ان میں کچھ حقیقت بھی ہے یا محض غلوِ عقیدت کا مظاہرہ اور بے جا مبالغہ آرائی۔

البتہ تیسرا دعویٰ سو فیصد حقیقت پر مبنی ہے کہ ان کے تدریس حدیث کا انداز اور مقصد حنفی فقہ کا اثبات تھا اور اُس کے لئے یہ ضروری تھا کہ صحیح احادیث کو کسی نہ کسی طرح مجروح و مطعون اور ضعاف و مراسیل اور منقطع روایات کو قابل حجت ثابت کیا جائے۔ چنانچہ یہی کچھ اُنہوں نے بھی کیا، ان سے پہلے مولانا احمد علی سہارنپوری (محشی صحیح بخاری) مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ نے بھی یہی کیا اور ان کے بعد ہر حنفی مدرسے کا شیخ الحدیث مسندِ درس پر بیٹھ کر تدریس حدیث کے نام پر حنفیت ہی کی خدمت، یعنی نصوصِ قرآن

---

1 العرف الشذی: ص ۲۶۳، مکتبہ رحیمیہ، دیوبند

2 رسالہ سہ ماہی 'حسن تدبیر' دہلی... امام العصر نمبر، فروری ۲۰۱۰ء، ص ۴۵۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وحدیث کی تاویل اور دور از کار توجیہ کر کے حنفی فقہ کے بے سروپا مسائل کو صحیح باور کرا رہا ہے۔ جیسا کہ مولانا تقی عثمانی صاحب کے درسی افادات (درسِ ترمذی) بھی اسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے!

(۲) مولانا احمد علی سہارنپوری اسی حدیثِ محلل کے بارے میں فرماتے ہیں:

"پہلا لفظ محلّل (اسم فاعل، حلالہ کرنے والا) وہ شخص ہے جس کے ساتھ کسی عورت نے تحلیل کی غرض سے شادی کی۔ دوسرا لفظ مفعول (محلَّل لہ) وہ پہلا شوہر ہے جس کی خاطر تحلیل واقع ہو رہی ہے۔ پہلا شخص (محلل، حلالہ کرنے والا) اس لئے ملعون ہے کہ اس نے جدائی (طلاق) کے ارادے سے نکاح کیا، حالانکہ نکاح تو (بیوی کو) ہمیشہ رکھنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے۔ پس اس کی حیثیت کرائے کے سانڈ کی مثل ہو گئی، جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے اور دوسرا اس لئے ملعون ہے کہ وہ اس قسم کے نکاح کا سبب بنا ہے اور مراد (اس لعنت سے) ان دونوں افراد کی کمینگی (خساست) کا اظہار ہے، اس لئے کہ طبعِ سلیم ان دونوں کے فعلوں (بے غیرتی والے کاموں) سے نفرت کرتی ہے۔ لعنت کی حقیقت مراد نہیں ہے۔"

غور فرمایئے! کہ حدیث کے الفاظ کی تشریح بھی خوب ہے اور دونوں کے فعل کو کمینگی اور طبعِ سلیم کے خلاف بھی تسلیم کر رہے ہیں۔ لیکن پھر حنفیت کا رنگ غالب آجاتا ہے اور کہتے ہیں کہ لعنت کی حقیقت مراد نہیں ہے۔ پتہ نہیں، لعنت کی حقیقت علمائے احناف کے نزدیک کیا ہے؟ آگے فرماتے ہیں:

"وقيل المكروه اشتراط الزوج بالتحليل في القول لا في النية، بل قد قيل إنه ماجور بالنية لقصد الإصلاح"[1]

"اور کہا گیا ہے کہ زبان سے شادی کے وقت حلالے کی شرط کرنا مکروہ ہے، لیکن دل میں نیت ہو تو مکروہ نہیں۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نیت کر کے حلالہ کرنے والا ماجور ہے، اس لیے کہ اس کا مقصد اصلاح ہے۔"

---

1 الحواشی المفیدۃ علی الجامع الترمذی: ص ۳۴۱، طبع مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ وہی باتیں ہیں جن کا بے حقیقت اور خلاف منشاے شریعت ہونا ہم واضح کر آئے ہیں لیکن تقلید کی عینک کی وجہ سے ان کو نظر نہیں آرہی ہیں۔ بھلا ایک لعنتی اور حرام کام بھی اچھی سی نیت کر لینے سے حلال بلکہ باعثِ اجر ہو سکتا ہے؟ نہیں، ہر گز نہیں۔ کوئی بھی لعنت والا کام نہ حلال ہو سکتا ہے اور نہ باعثِ اجر اور نہ اس کی کوئی قانونی و شرعی حیثیت ہے کہ اس سے شرعی مقاصد حاصل ہو سکیں، جیسا کہ اس لعنتی کام سے زوجِ اوّل کے لئے دوبارہ نکاح کا جواز ثابت کیا جارہا ہے۔ زوجِ اوّل کے لئے دوبارہ نکاح کے جواز کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ صرف اور صرف وہ حلالۂ شرعیہ ہے جس کی وضاحت قرآن وحدیث میں ملتی ہے۔ اس کے برعکس حلالۂ مروّجہ (فقہ حنفی والا) یہ زناکاری ہے۔ کرائے کے سانڈ کے پاس بھی وہ عورت جتنے دن رہے گی، دونوں عند اللہ زناکار رہیں گے، پھر زوجِ اوّل کے ساتھ اس عورت کے دوبارہ تعلق کی صحیح شرعی بنیاد چونکہ نہیں ہے، اس لئے یہ دونوں بھی عمر بھر زناکار ہی رہیں گے۔ أعاذ نا الله منها

(۳) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ایک سوال کے جواب میں حلالے کا شرعی طریقہ بتلایا گیا ہے اور شوہر ثانی سے شرطِ طلاق کو مکروہ تحریمی لکھا گیا ہے۔ لیکن پھر مفتی صاحب کی رگِ حنفیت پھڑکی اور دُرِّ مختار (فقہ حنفی کی معتبر کتاب) کے حوالے سے یہ عربی عبارت نقل کر دی جس کا مطلب وہی ہے کہ اگر دل میں دونوں کی نیت (عارضی نکاح کر کے چھوڑ دینے کی) ہے تو پھر یہ نکاح مکروہ نہیں ہے، بلکہ آدمی قصدِ اصلاح کی وجہ سے ماجور ہو گا۔[1]

(۴) مولانا رشید احمد گنگوہی اس سوال کے جواب میں کہ اگر ایک ماہ بعد طلاق دینے کی شرط پر نکاح ہوا تو یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ فرماتے ہیں:

> "نکاح بشرطِ طلاق بعد ایک ماہ تو بحکم متعہ کے حرام ہے، اگر زبان سے یہ شرط کی جاوے اور جو دل میں ارادہ ہے، عقد میں ذکر نہیں ہوا تو نکاح صحیح ہے۔"[2]

۱ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، عزیز الفتاوی، ج ۱ر ص ۵۱۲، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۷۶ء

۲ تالیفاتِ رشیدیہ مع فتاویٰ، ص ۳۸۳، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۹۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک اور حنفی مفسر کی باطل تاویلیں اور اُن کی حقیقت

(۵) اور زمانۂ حال کے ایک اور دیو بندی مفسر قرآن جن کی مفصل تفسیر 'روح القرآن' کے نام سے مدیر جامعۃ البنوریہ العالمیہ (کراچی) کے زیر نگرانی چھپ رہی ہے، یہ صاحب اپنی تفسیر میں زیر بحث آیت کی وضاحت میں بعنوان 'حلالۂ شرعیہ کی وضاحت' لکھتے ہیں:

"حلالہ کے معنی ہیں طلاق والی عورت کا (عارضی) نکاح کرنا تاکہ دوسرے شخص سے نکاح کے بعد وہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکے۔

قرآنِ مجید کی صراحت ووضاحت کے بعد تین طلاق والی مطلقہ عورت کے اپنے سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح کی ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ عدت کے بعد اس عورت کا کسی دوسرے شخص سے نکاح ہو اور گھر بسانے کے بعد دوسرے شوہر کا انتقال ہو جائے یا دوسرا شوہر طلاق دے دے اور عدت کے بعد اگر سابقہ شوہر اور یہ عورت دوبارہ نکاح کرنے پر رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔"

حلالۂ شرعیہ کی وضاحت موصوف نے صحیح کی ہے۔ لیکن بریکٹ میں 'عارضی' کا اضافہ یہاں کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ حلالۂ شرعیہ میں تو نکاح عارضی ہوتا ہی نہیں ہے، اس میں تو نکاح دوسرے شوہر سے بھی مستقل طور پر آباد رہنے ہی کی نیت سے ہوتا ہے۔ اگر یہ نیتِ دوام نہیں ہوگی تو وہ حلالۂ شرعیہ ہی نہیں ہوگا، وہ تو حلالۂ مروّجہ ملعونہ ہی ہو جائے گا۔

لیکن چونکہ تقلید کا حسین طوق اِن کے بھی زیبِ گلو ہے، اس لئے ذہن میں یہی سوچ کارفرما ہے کہ بالآخر حلالۂ مروّجہ کا بھی جواز پیش کرنا ہے، اس لئے موصوف نے حلالۂ شرعیہ کی تعریف میں بھی 'عارضی' کے لفظ کو بریکٹ میں لکھ دیا ہے تاکہ اگلے پیرے میں، جس میں حلالہ غیر شرعیہ کو ثابت کرنا ہے، کچھ سہارا مل جائے کیونکہ اصل مقصد تو اسی کا اثبات ہے، باقی وضاحتیں تو مجبوری ہے۔

بہر حال اگلے پیرے میں اصل مقصود سامنے آجاتا ہے اور فرماتے ہیں:

"اس شرعی اور قانونی ضرورت کو پورا کرنے کی ایک شکل یہ ہے کہ مطلقہ عورت کا دوسرے شخص سے اس شرط پر عارضی نکاح ہو کہ وہ شخص ہم بستری کے بعد اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عورت کو طلاق دے دے گا۔

حلالے کا شرعی اُصولوں کے تحت جائزہ لیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلاق کی شرط پر نکاح کرنے سے نکاح تو ہو جاتا ہے اگرچہ ایسی شرط لگانا صحیح نہیں ہے۔ پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کے لئے شریعت نے دوسرے نکاح کی جو شرط لازمی قرار دی ہے وہ پوری ہو جاتی ہے، لہٰذا عدت کی تکمیل کے بعد باہمی رضامندی سے پہلے شوہر سے نکاح میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں رہتی۔"

ہم فاضل مفسر یا مفسرین سے پوچھتے ہیں کہ پہلے حلالۂ شرعیہ کی جو تعریف آپ نے کی ہے، اگر وہ صحیح ہے اور یقیناً وہ صحیح ہے سوائے ایک لفظ عارضی کے۔ اور حلالے کا شرعی اصولوں کے تحت جائزہ لینے سے آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حلالۂ غیر شرعیہ یا حلالۂ ملعونہ سے بھی نکاح ہو جاتا ہے تو پھر حلالۂ شرعیہ اور حلالۂ غیر شرعیہ میں کوئی فرق تو نہ رہا اور وہ کون سے شرعی اُصول ہیں کہ ان سے حرام بھی حلال ہو جاتا ہے؟ اور کیا حرام طریقے سے ایک دوسرے جائز کام کے شرعی اور قانونی تقاضے پورے ہو جاتے ہیں؟

اگر ایسا ہے تو پھر حلالۂ مروّجہ کو لعنتی فعل کیوں قرار دیا گیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے اس لعنت والے فرمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسا نکاح منعقد ہی نہ ہو۔ اگر اس لعنتی طریقے سے بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے تو پھر اس کو لعنت والا کام ہی کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کا مطلب تو پھر یہ ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ نے (نعوذ باللہ) ایک نہایت آسان طریقے پر خواہ مخواہ بند باندھ دیا ہے گو اُمتی کہلانے والوں نے بہ لطائف الحیل اس بند کو فقہی موشگافیوں کے ذریعے سے توڑ دیا ہے۔

اُمّت کے خیر خواہ تو یہ حیلہ ساز فقہا اور ان کے پیروکار اصحابِ جبہ و دستار مفتیانِ کرام اور شیوخ الحدیث ہوئے نہ کہ رسول اللہ ﷺ۔ رسول اللہ ﷺ نے تو اس بے غیرتی والے کام پر اس کو لعنتی قرار دے کر، بند باندھا۔ لیکن کہنے والوں نے کہا: چند راتوں کی بے غیرتی سے بھی شرعی اور قانونی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ آہ! علامہ اقبال نے سچ کہا تھا

اَحکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پاژند[1]

صاحبِ تفسیر مزید فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو لعنت فرمائی ہے، وہ طلاق کی شرط کی وجہ سے ہے۔ اگر بلا شرط کے یہ کام ہو تو لعنت بھی نہیں ہے۔ شرط کے ساتھ ہو تو بھی قانونی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، مگر گناہ کے ساتھ اور بغیر شرط کے ہو تو لعنت و گناہ کا کوئی عنصر (Element) پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود حلالے کی تحسین کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔"[2]

اس عبارت میں صاحب تفسیر کی ژولیدہ خیالی، پریشاں فکری اور حرام کو حلال ثابت کرنے کی سعیٔ مذموم میں ضمیر کی کشمکش کو آسانی سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے!

پہلے موصوف نے فرمانِ رسول ﷺ کی از خود ایک علّت (وجہ) وضع کی۔

دوسرے نمبر پر فرمایا: وہ علت (شرطِ طلاق) نہ ہو تو لعنت بھی نہیں۔

تیسرے نمبر پر فرمایا: شرط کے ساتھ ہو تو بھی قانونی ضرورت پوری ہو جاتی ہے مگر گناہ کے ساتھ

چوتھے نمبر پر فرمایا: اس کے باوجود حلالے کی تحسین کی قطعاً گنجائش نہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب آپ نے پورے شرحِ صدر کے ساتھ حدیثِ رسول کی ایک علّت خود ہی گھڑ کر یہ فیصلہ کر دیا کہ بہ نیت تحلیل نکاح میں یہ علت (شرط طلاق) چونکہ نہیں ہوتی اس لئے سرے سے یہ لعنت والا کام ہی نہیں ہے اور مزید رعایت دیتے ہوئے فرما دیا کہ شرط طلاق کے ساتھ بھی نکاح ہو تو قانونی ضرورت تو پوری ہو ہی جاتی ہے، گو گناہ کے ساتھ ہی سہی۔

اس طرح حدیثِ رسول کی ساری اہمیت کو ختم اور اس کے اصل مقصد و غایت کو غت ربود کر کے حلالۂ ملعونہ کا مکمل طور پر جواز فراہم کر دیا۔ اس کے بعد تو سارا مسئلہ ہی ختم اور ساری

۱ بالِ جبریل: ص ۲۰

۲ تفسیر روح القرآن: ۱/۵۸۹، ۵۹۰، زیر نگرانی شیخ الحدیث مفتی محمد نعیم، مدیر جامعۃ البنوریہ العالمیہ، کراچی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحث ہی تمام ہو جاتی ہے۔

لیکن مفسر موصوف اس ساری کدو کاوش اور فکری جانکاہی کے باوجود اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے میں ناکام ہی رہے اور دل و دماغ کو اس کشمکش سے پاک نہ کر سکے کہ جس کام پر اللہ کے رسول نے لعنت فرمائی ہے، اس لعنت کا تقاضا تو اس کام کی حرمت و ممانعت ہے، نہ کہ اس کی حلت اور اس کا جواز؟ چنانچہ سب کچھ کرنے اور سارے پاپڑ بیلنے کے باوجود ضمیر کی خلش نے ان کے قلم سے بالآخر یہ الفاظ بھی لکھوا دیئے:

"اس کے باوجود حلالے کی تحسین کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔"

محترم! کیوں نہیں؟... جب آپ کی فقہی نکتہ سنجیوں اور تقلیدی موشگافیوں سے وہ کام حرام ہی نہیں رہا، بلکہ حلال ہو گیا اور حلال ہی نہیں ہو گیا بلکہ اجر و ثواب کا باعث ہو گیا، تو اس کی تحسین کیوں نہیں کی جا سکتی؟ کیا اجر و ثواب والے کام کی بابت یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قابل تحسین نہیں؟ اب دو ہی باتیں ہیں، یا تو حلالۂ ملعونہ کو حلال کرنے کی کوشش قابلِ تحسین نہیں۔ اور اگر یہ کوشش قابلِ تحسین ہے تو پھر یہ فرمان غلط ہے کہ حلالۂ ملعونہ کی تحسین کی قطعاً گنجائش نہیں۔ دونوں باتیں بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتیں۔

احکامِ شرعیہ میں علّت کا مسئلہ

احکامِ شرعیہ میں علّت کا مسئلہ اپنی جگہ ایک اہمیت کا حامل ضرور ہے، لیکن اس کی اصل حیثیت کیا ہے؟ اس سے اکثر لوگ بے خبر ہیں۔ علاوہ ازیں اس دور میں شریعت کے اصل احکام سے انحراف کرنے والے (منکرینِ حدیث، مغرب زدہ مستغربین اور متشککین) نے اس کو اپنی فکری گمراہی اور استشراقی فکر کے اثبات کا ذریعہ بنایا ہوا ہے اور شریعت کے جس مسئلے سے جان چھڑانی ہو، وہاں وہ یہی ذریعہ اختیار کرتے ہوئے اپنی طرف سے ایک علت گھڑ کے کہتے ہیں کہ اس کی اصل علت یہ تھی۔ اب چونکہ یہ علت باقی نہیں رہی، اس لیے یہ حکم بھی باقی نہیں رہا۔ اس طرح عورتوں کے بارے میں اسلام نے عورت کی عصمت و تقدس کے تحفظ کے لیے جو احکام دیے ہیں (مثلاً پردہ، صرف گھریلو اُمور کی ذمہ داری وغیرہ) وہ ان سب کو ختم کر کے مغرب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح عورت کے لیے ہر طرح کی آزادی کو اسلام کا حکم باور کرانا چاہتے ہیں۔

'روح القرآن' کے فاضل مؤلف یا مؤلفین نے اپنے حلالۂ ملعونہ کے اثبات کے لیے اس علّت کے ہتھیار کو بھی استعمال کیا ہے اور مذکورہ ضالّ اور مُضِلّ گروہوں کی طرح اپنی طرف سے ایک علت گھڑ کے اس لعنت والے کام سے لعنت والا عنصر ختم کر کے اس کو ملعون کے بجائے مأجور (باعثِ اجر) قرار دے دیا ہے، جیسا کہ ان کے فقہائے متقدمین و متأخرین کا موقف چلا آرہا ہے۔ اُنھوں نے اس کی کیا علت بیان کی ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ ان شاء اللہ اس پر گفتگو ہو گی۔ اس سے پہلے آپ علت کے مسئلے کی اصل حیثیت سمجھ لیں۔

احکامِ شرعیہ میں اصل چیز اطاعت ہے۔ جو بھی اللہ رسول کا حکم ہو، اس کی علت کیا ہے؟ اس بحث میں پڑے بغیر، اس کا ماننا، اس پر بلا چون وچرا عمل کرنا فرض ہے۔ اس لیے کہ مسلمان وحیٔ الٰہی کا پابند ہے، اس کی عقل میں آئے یا نہ آئے۔ ہر شخص کی عقل الگ الگ ہے، اگر عمل کرنے کے لیے عقل میں آنا ضروری ہوتا تو حکمِ الٰہی اور احکامِ شرعیہ بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتے، کوئی کہتا: یہ عمل معقول ہے۔ کوئی کہتا: میری عقل میں یہ بات نہیں آتی۔ کوئی کہتا: یہ حکم اس طرح ہوتا تو زیادہ صحیح ہوتا۔ اس لیے اسلام میں عقل کو یہ مقام نہیں دیا گیا ہے کہ وہ حکمِ الٰہی کو اپنی عقل کے پیمانے سے جانچے پرکھے، بلکہ اپنی عقل کو حکمِ الٰہی کا پابند بنا کر رکھے۔ کیونکہ ہر حکمِ الٰہی کی حکمت، علت اور غایت تک ہر شخص کی عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو جب ابو جہل نے جا کر بتلایا کہ تیرا پیغمبر (ﷺ) تو اب یہ کہہ رہا ہے کہ وہ راتوں رات بیت المقدس سے ہو کر واپس آگیا ہے، کیا تو اب بھی اس کی بات مانے گا؟ ابو جہل کو یقین تھا کہ ابو بکر اس کے ماننے میں یقیناً تأمل کرے گا۔ لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر واقعی میرے پیغمبر نے یہ کہا ہے تو سچ کہا ہے، کیونکہ میرے پیغمبر پر وحی آتی ہے تو جب میں اپنے پیغمبر کی وحی پر مبنی تمام باتیں تسلیم کرتا ہوں تو پیغمبر کی زبان سے اقرار کردہ واقعۂ اِسرا کا انکار میں کس طرح کر سکتا ہوں؟

یہ ہے ایک مسلمان کا طرزِ عمل، وہ حکمِ الٰہی اور فرمانِ پیغمبر کے مقابلے میں اپنی عقل کو استعمال نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ احکامِ الٰہیہ عقل کے خلاف ہیں، اس لیے عقل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعمال کی اجازت نہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر حکم الٰہی کی حکمت وغایت تک ہر عقل کی رسائی ممکن نہیں، تو جس چیز کی حکمت انسان کی عقل میں نہ آئے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خلافِ عقل ہے، بلکہ وہ اس کی عقل وفہم سے ماورا ہے۔ انسانی عقل محدود ہے، ضروری نہیں کہ ہر بات کی حقیقت تک اس کی رسائی ہو جائے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ احکام الٰہیہ میں عقل و قیاس کے استعمال کی اجازت نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور مقولہ ہے:

لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ[1]

"اگر دین میں عقل ورائے کا دخل ہوتا تو موزوں پر مسح اوپر والے حصے کے بجائے نچلے حصہ پر کرنے کا حکم ہوتا۔"

دین کے بہت سے احکام ہیں جن کی حکمت و مصلحت آسانی سے سمجھ (عقل) میں آجاتی ہے، لیکن متعدد احکام ایسے بھی ہیں جن کی حکمت صرف اللہ ہی جانتا ہے، انسانی عقل کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں۔ لیکن ہر دو کا ماننا مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

یہی مسئلہ احکام شرعیہ کی علت کا ہے۔ ہر حکم کی علت بیان نہیں کی گئی ہے، اکثر احکام علت کے بغیر ہی بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی علّت سمجھے بغیر اِن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ البتہ بعض احکام ایسے ہیں کہ ان کی علت بیان کی گئی ہے یا ان کی علت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

جن کی علت بیان ہوئی ہے یا اُن کی علت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے، اُن میں بھی ضروری نہیں کہ ارتفاعِ علت سے حکم کا ارتفاع ہو جائے۔ بعض احکام میں ارتفاعِ علت کے باوجود خود شریعت نے حکم باقی رکھا ہے، جیسے حج کے طواف میں 'رمل' کا حکم ہے۔ یہ حکم ایک خاص پس منظر کی وجہ سے دیا گیا تھا، لیکن اس علت کے مرتفع ہو جانے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں رمل کر کے واضح کر دیا کہ اس حکم کی علت اگرچہ ختم ہو گئی، لیکن چونکہ اس علت کا ایک تاریخی پس منظر تھا، اس لئے اس پس منظر کی یادگار کے طور پر علت کے خاتمے کے باوجود رمل کے حکم کو باقی رکھا گیا۔

---

1. سنن ابو داود: ۱۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح جمعے کے دن کے غسل کی وجہ (علّت) بعض احادیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ عدمِ وسائل اور پانی کی کم یابی کی وجہ سے پرانے کپڑوں ہی میں اور نہائے بغیر جمعہ پڑھنے کے لئے آجاتے تھے جس سے دوسرے لوگوں کو (بالخصوص موسم گرما میں) تکلیف ہوتی تھی جس کی وجہ سے غسل کرنے اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر، خوشبو اور تیل لگا کر آنے کا حکم دیا گیا۔ اب یہ علت تو نہیں رہی، لیکن غسل کی فرضیت (یا استحباب بہ اختلاف قولین) باقی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں ایک ہی ہال (مسجدِ نبوی) میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فرض نمازیں پڑھا کرتی تھیں، مردوں کی صفیں آگے اور عورتوں کی صفیں پیچھے ہوتی تھیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو سلام پھرتے ہی مسجد سے باہر نکلنے سے روک دیا تاکہ پہلے عورتیں نکل جائیں اور ان کا مردوں سے اختلاط نہ ہو۔ اب یہ علت واضح ہے، اس لئے اب یہ حکم نہیں دیا جاسکتا کہ مرد حضرات سلام پھرتے ہی مسجد سے باہر نہ نکلیں۔ یہ ارتفاعِ علت سے ارتفاعِ حکم کی ایک واضح مثال ہے۔

مقصود ان مثالوں سے اس امر کو واضح کرنا ہے کہ اس بارے میں ایک تو کوئی قاعدۂ کلیہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے، جس حکم کی نفی ارتفاعِ علت کی وجہ سے کی جائے، وہ علت واضح اور صریح ہو، اس میں کوئی اشتباہ نہ ہو۔ بنابریں جس مسئلے میں ارتفاع علت کا حکم لگا کر ارتفاع حکم کا اثبات کیا جائے، اس کے لئے دو چیزیں ضروری ہوں گی۔

ایک یہ کہ جو علت بیان کی جارہی ہے، وہ شرعی دلائل سے ثابت اور واضح ہو کہ واقعی اس حکم کی یہی علت تھی جس کی بنا پر حکم دیا گیا تھا، جیسے پچھلی صفوں میں عورتوں کے نماز پڑھنے کی وجہ سے مردوں کو حکم دیا گیا تھا۔

دوسری یہ کہ اس حکم کی اس کے سوا کوئی اور علت نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ اس حکم میں کئی علتیں مضمر ہوں، ایسی صورت میں کسی ایک علت کے ارتفاع سے وہ حکم ختم نہیں ہوگا بلکہ باقی رہے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکم لعنت میں بیان کردہ علّت کی حقیقت

اس بنیادی وضاحت کی روشنی میں ہم حنفی مفسر کی بیان کردہ علت کا جائزہ لیتے ہیں تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ان کی بیان کردہ علت کے لئے ان کے پاس کوئی واضح شرعی دلیل اور قرینہ نہیں ہے، بلکہ منحرفین کی طرح ایک خود ساختہ علت ہے جس کی بنا پر وہ رسول اللہ ﷺ کے ایک فرمان سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔

وہ حدیث «لعن الله المحل» میں لعنت کی علت طلاق کی شرط کو قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ یا دیگر شرعی قرائن سے ان کی بات کی قطعاً تائید نہیں ہوتی' بلکہ اوّل تو دیگر احکام شرعیہ کی طرح یہ حکم بھی بغیر کسی علت کے بیان ہوا ہے، اس لئے ہم اپنی طرف سے اس کی علت گھڑ کر اس حکم کو کالعدم نہیں کر سکتے، یہ حکم شریعت کے مقابلے میں ایک نہایت شوخ چشمانہ جسارت ہے۔ ثانیاً اس حکم لعنت پر غور کیا جائے، جیسا کہ مفسرِ مذکور نے غور کیا، لیکن اُنہوں نے چونکہ تقلیدی عینک چڑھائی ہوئی ہے تو اس میں وہی رنگ نظر آیا جو ان کی عینک پر لگے ہوئے تقلیدی شیشے کا رنگ تھا، لیکن نظر حقیقت اور صاف شفاف عینک سے دیکھا جائے تو اس میں کار فرما علت اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہ ایک نہیں، چار علتیں ہیں: غیرت کا تحفظ، دوسری علت: انصاف کی عَلم برداری، تیسری علت: نسب اور خاندانی نظام کا تحفظ، چوتھی علت: اسلامی معاشرے سے کرائے کے سانڈوں (زناکاروں) کا خاتمہ۔

اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

① چند راتوں کے لئے طلاق کی شرط کر کے ایک خوبرو نوجوان لڑکی کو کسی کے سپرد کر دینا، غیرت کے خلاف ہے، کوئی غیرت مند مرد اس کو برداشت کر سکتا ہے نہ کوئی غیرت مند عورت، بالخصوص جب کہ وہ جوان بھی ہو اور حسن و جمال میں بھی یکتا۔ اس حکم لعنت میں کار فرما علت اس بے غیرتی کا سدّباب ہے۔ جو دین حیا و عفت کی اعلیٰ تعلیمات کا حامل ہو، وہ حلالۂ ملعونہ جیسی بے غیرتی کو کب برداشت کر سکتا ہے؟

② تیسری طلاق دینے کا مجرم مرد ہے نہ کہ عورت۔ عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ جرم کی سزا مجرم (مرد) کو ملے نہ کہ عورت کو، جو یکسر بے قصور ہے۔ لیکن حلالۂ ملعونہ میں سزا عورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بھگتنی پڑتی ہے اور اس کو چند راتیں چار و ناچار کسی بوالہوس کے پاس گزارنی پڑتی ہیں اور اگر اس کی نیت خراب ہو جائے اور وہ طلاق دینے سے انکار کر دے، تو وہ عورت تو پھر عمر بھر اس روگ اور غم میں مبتلا رہے گی کہ اس کی راتیں اس کے پسندیدہ شوہر کے بجائے اس سانڈ کے پہلو میں گزر رہی ہیں جسے وہ پسند نہیں کرتی اور اس کی تو خدمات عارضی طور پر ایک کرائے دار کی حیثیت سے حاصل کی گئی تھیں، لیکن وہ میر امالک بن بیٹھا۔ ذرا تصور کیجئے! ایک غیرت مند عورت کے لئے یہ تصور کس طرح روح فرسا اور اعصاب شکن رہے گا۔ کیا اسلام اس بے انصافی کا علم بردار ہو سکتا ہے؟

علاوہ ازیں اسلام کا حکم ہے کہ عورت کی شادی کرتے وقت اس کی رضامندی بھی حاصل کرو، اور جو شخص اس کو ناپسند ہو، وہاں بالجبر اس کا عقد مت کرو۔ حلالۂ ملعونہ میں جو نکاح کا ناٹک رچایا جاتا ہے، کیا وہاں اسلام کی اس تعلیم کا کوئی معمولی سا بھی اہتمام کیا جاتا ہے؟ وہاں تو صرف اپنی خود ساختہ شرط منوا کر آنکھیں بند کر کے ایک عورت کو ایک مرد کے حوالے کر دیا جاتا ہے، چاہے وہ اس کو پسند ہو یا نہ ہو۔

③ تیسری علت، نسب اور خاندانی نظام کا تحفظ ہے۔ حلالۂ ملعونہ اس کے یکسر خلاف ہے۔ اگر چند راتوں کی ہم بستری سے عورت کو حمل قرار پا جائے تو فی الحال اس بحث کو چھوڑ دیجئے کہ یہ اولاد صحیح النسب ہو گی یا ولد الزنا؟ (حالانکہ حدیث اور آثارِ صحابہ کی روشنی میں یہ ولد الزنا ہے) تاہم زوجِ اوّل کے لئے، جس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کے لئے یہ حلالۂ ملعونہ ایجاد کیا گیا ہے، یہ اولاد ناقابل برداشت ہو گی، بالخصوص جب کہ اس کی پہلے بھی اولاد ہو۔ اس کی وجہ سے خاندانی نظم میں جو دراڑیں پڑیں گی، وہ محتاجِ وضاحت نہیں۔ کیا اسلام، جو صحیح النسبی اور خاندانی نظام کے تحفظ کا سب سے بڑا علم بردار ہے، اس مذاق کو برداشت کر سکتا ہے؟

④ چوتھی علت، کرائے کے سانڈوں کا خاتمہ ہے۔ اسلام نے اسلامی معاشرے کو زناکاری سے بچانے کے لئے دور دور تک بند باندھ دیئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کی نہایت کڑی سزائیں مقرر کی ہیں تاکہ کوئی اس کا ارتکاب کرنے کی جسارت نہ کرے۔ لیکن حلالۂ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملعونہ کے ذریعے سے تقدس مآبی کے نام پر زناکاری کا ایک آسان راستہ کھول دیا گیا ہے۔ بھلا اسلام اس کو کس طرح پسند کر سکتا ہے؟

محترم! حلالۂ ملعونہ کی علت 'شرطِ طلاق' ہرگز نہیں ہے، بلکہ مذکورہ چار علتیں ہیں، ان میں سے ہر ایک علت اتنی اہم ہے کہ اس کی حرمت و ممانعت کے لئے وہی کافی ہے چہ جائیکہ چار علتیں حرمت کی جمع ہو جائیں، پھر بھی حلالۂ ملعونہ جائز رہے؟ ﴿إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾[1]

اللہ تعالیٰ ان فقیہانِ حرم کو یہ توفیق دے کہ وہ تقلیدی جمود میں قرآن و حدیث کی اصل تعلیمات کو مسخ نہ کریں اور دین کو اس طرح کھیل کود نہ بنائیں جس طرح یہود کے علما نے بنالیا تھا جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا﴾[2]

حلالے کی بابت صاحب 'المنار' کی وضاحت

مضمون کی تکمیل کے بعد تفسیر 'المنار' دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ تفسیر الازہر (مصر) کے شیخ محمد عبدہ (مشہور مصری مُصلح) کے تفسیری افادات ہیں جو ان کے تلمیذ رشید علامہ رشید رِضا مصری، مدیر 'المنار' نے مرتب کیے ہیں اور تفسیر 'المنار' کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔

اس تفسیر میں شیخ محمد عبدہ آیت ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ کے تحت لکھتے ہیں۔ ہم اختصار کے پیش نظر اس کا اُردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں:

"ہر مسلمان کو جاننا چاہیے کہ یہ آیت اس امر میں بالکل واضح ہے کہ وہ نکاح جس کے ذریعے سے مطلقہ ثلاثہ (زوجِ اوّل کے لئے) حلال ہوتی ہے، وہ صحیح (باقاعدہ) نکاح ہے جو رغبت سے کیا جائے (نہ کہ شرط کر کے بہ جبر) اور جس سے نکاح کا وہ مقصود حاصل ہو جائے جو نکاح سے مطلوب ہوتا ہے۔ پس جس نے مطلقہ ثلاثہ عورت سے اس نیت سے نکاح کیا کہ وہ عورت زوجِ اوّل کے لئے حلال ہو جائے تو یہ نکاح صورتاً تو نکاح ہے لیکن غیر صحیح نکاح ہے اور اس سے وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو گی، بلکہ

---

۱ سورہ ص:۵

۲ سورۃ الانعام:۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ایسی معصیت ہے جس کے مرتکب پر شارع نے لعنت فرمائی ہے اور شارع کسی ایسے فعل پر لعنت نہیں کرتا جو جائز (مشروع) ہو۔ بلکہ ایسے فعل پر بھی لعنت نہیں کرتے جو صرف مکروہ ہی ہو (حرام نہ ہو) جمہور علما کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ لعنت انہی گناہوں پر آئی ہے جو کبیرہ ہوں۔ اگر اس کا دوبارہ اعادہ کیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص خون کو پیشاب سے پاک کرے حالانکہ وہ پلیدی پر پلیدی ہے (وہ پاک کس طرح ہو گا؟)

امام مالک، امام احمد، امام ثوری رحمۃ اللہ علیہم، اہل ظاہر اور ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد اہل حدیث واہل فقہ میں سے اسی موقف کی قائل ہے۔''

علامہ رشید رضا مصری مرتبِ افادات مزید لکھتے ہیں:

''الاستاذ الامام (شیخ عبدہ) نے فرمایا: حلالے والا نکاح، نکاحِ متعہ سے بھی بدتر ہے اور فساد وعار کے اعتبار سے بھی بہت شدید ہے اور کچھ دوسرے فقہا جو کہتے ہیں کہ یہ کراہت کے ساتھ جائز ہے جب تک اس میں شرط نہ ہو، اس لئے کہ فیصلہ ظاہر پر ہوتا ہے، اس میں کار فرما مقاصد اور پوشیدہ باتوں کو نہیں دیکھا جاتا۔ تو ہم کہتے ہیں: ٹھیک ہے، لیکن دین قیم (اسلام) تو یہ ہے کہ ظاہر باطن کا آئینہ دار ہو، ورنہ وہ نفاق ہو گا۔ علاوہ ازیں حلالے کی نیت سے نکاح کرنے والا وہ نکاحِ حقیقی نہیں کرتا جو اللہ نے مشروع کیا (حکم دیا) ہے اور اسے بیان کیا ہے۔ یہ ایسا معاملہ نہیں ہے جسے خود انسان جس طرح چاہے کرلے اور نہ اس شخص کی مرضی پر ہے جو بغرضِ حلالہ یہ کام کرواتا ہے اور اس پر اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے۔ اگر قاضی لاعلمی کی وجہ سے ظاہر کو دیکھتے ہوئے ایسے نکاح کے نفاذ کا فیصلہ دیتا ہے، وہ تو معذور گردانا جاسکتا ہے، لیکن اس کا علم رکھنے والا اور اس کا ارتکاب کرنے والا معذور قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حافظ ابن قیم نے اس حلالے پر 'اعلام الموقعین' میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔''[1]

اس کے بعد امام عبدہ نے لعنت والی حدیث اور کرائے کے سانڈ والی حدیث ذکر کر کے وہ

---

1 اعلام الموقعین از امام ابن قیم: ۴۶/۴، طبع الکلیات الازہریہ، قاہرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آثارِ صحابہ نقل کیے ہیں جن میں اس فعلِ حرام کو زنا اور قابلِ رجم قرار دیا گیا ہے جن کو ہم نے بھی پہلی قسط میں بیان کیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

"حلالہ کی اس رذالت (کمینگی و خساست) کے باوجود یہ فعل اُن اشرار میں عام ہے جنہوں نے طلاق کی اجازت کو ایک عادت اور مذاق بنالیا ہے، بالخصوص اس فتویٰ اور حکم کی وجہ سے کہ ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دینے سے تینوں ہی واقع ہو جاتی ہیں، مسلمانوں کی اکثریت نے اپنے دین کو مذاق اور تماشا بنالیا ہے جس کی وجہ سے خود اسلام بدنام ہو رہا ہے، حالانکہ اسلام میں ایسی کوئی بات نہیں ہے سوائے ان لوگوں کے جو اسلام کے نام پر اس کو عیب ناک کر رہے ہیں۔

میں نے لبنان میں ایک عیسائی کو دیکھا جو اسلامی کتابوں وغیرہ کی خریداری اور ان کے مطالعے کا بڑا شوقین تھا، بالآخر اس کو ہدایت نصیب ہوگئی اور وہ مسلمان ہو گیا تاہم تصوف کی طرف اس کا رجحان رہا۔ مجھے اس نے کہا: اسلام میں مجھے تین عیبوں کے سوا اور کوئی عیب نظر نہیں آیا، اور یہ ممکن نہیں کہ یہ عیب اللہ کی طرف سے ہوں (یعنی لوگوں نے اُن کو اسلام کے نام پر گھڑ لیا ہے، اللہ کے نازل کردہ دین اسلام میں یہ نہیں ہو سکتے۔)

ان میں سب سے بدتر عیب حلالہ ہے۔ لیکن جب میں نے اس حلالے کی حقیقت اس پر واضح کی کہ یہ اسلام میں نہیں ہے، بلکہ لوگوں کا اپنا ایجاد شدہ طریقہ ہے تو وہ مطمئن ہو گیا۔"[1]

---

1 تفسیر المنار: ۲/ ۲۹۴، ۲۹۵، طبع دار المعرفۃ، مصر، ۱۹۳۴ء

© rasailojaraid.com